باتیں ایک خاتون ڈاکٹر کی

نوال سعداوی

Mashalbooks.com

باتیں ایک خاتوں ڈاکٹر کی

نوال سعداوی

ترجمہ: طاہرہ حبیب

ناشر: **مشعل بکس**

آر۔بی۔۵، سیکنڈ فلور،

عوامی کمپلیکس، عثمان بلاک، نیو گارڈن ٹاؤن، لاہور۔54600، پاکستان

فون وفیکس: 042-5866859

E-mail: mashbks@brain.net.pk

http://www.mashalbooks.com

MashalBooks.com

پیش لفظ

’’عورت مرد کے سامنے اپنی آزادی‘ اپنی عزت‘ اپنے نام‘ اپنی عزت نفس‘ اپنی فطرت اور اپنی خواہشات سے محروم تہی دست کھڑی ہے۔ اس کی روحانی اور مادی زندگی کا احترام اس سے چھین لیا گیا ہے حتیٰ کہ اس کی کوکھ میں کھلنے والا ننھا شگوفہ جس کی تخلیق اس کے دل و دماغ‘ اس کے خون اس کے جسم کے خلیوں سے ہوتی ہے اسے اس پر بھی کوئی اختیار نہیں۔‘‘

یہ اقتباس ڈاکٹر نوال سعداوی کی کتاب ’’ایک خاتون ڈاکٹر کی یاداشتیں‘‘ سے ہے جس کے اردو ترجمے کو ’’باتیں ایک خاتون ڈاکٹر کی‘‘ کا نام دیا گیا ہے۔ اس کتاب کا ترجمہ طاہرہ نے کیا ہے۔ اردو میں ترجمہ ہو کر یہ کتاب بہت سے کتاب دوستوں کے لئے اچھا تحفہ تو ہے ہی یہاں کے ادیبوں‘ خاص طور سے خواتین رائیٹرز کے لئے ایک مثال بھی ہے۔ اس لئے کہ یہ کتاب ایک گہری سچی اور خوبصورت تحریر کی امانت دار ہے اور دنیا کی آدھی انسانیت سے سوال کرتی ہے کہ عورت جو نوع انسان کا زیادہ مکمل اور زیادہ حساس حصہ ہے اسے مرد کی دنیا میں ادھورا بنا کر کیوں رکھا گیا ہے اور صرف استحصال کے لائق ہی کیوں سمجھا گیا ہے؟ یہ گھناؤنی حقیقتوں کا ایک طویل سلسلہ ہے جسے نئی عورت اپنے آنسوؤں کی اوٹ میں رکھنا نہیں چاہتی۔ اسی نئی عورت کی طرف سے یہ پورا سچ ہے کہ جس کے بیان میں کسی جھجک یا لفظی مصلحت یا ادبی ریاکاری سے کام نہیں لیا گیا۔ مصنفہ اس قسم کی ’’زنانہ جھجک‘‘ اور ادھورے سچ کی ریاکاری سے چھٹکارا حاصل کر چکی ہے۔ اس لئے اس کتاب کی یادداشتیں ایک فرد کی یادداشتیں ہو کر بھی ایسی تحریر بن جاتی ہیں کہ وہ تیسری دنیا کے آگے رکھا ہوا ایسا شیشہ ہے جس میں چوتھی دنیا‘ جو عورت کی دنیا ہے منعکس بھی ہوتی ہے اور اس کا صاف ایکسرے بھی اتر آتا ہے۔ تیسری دنیا کی عورت بذات خود ایک دنیا ہے۔ لیکن تین دنیاؤں کے بوجھ تلے دبی ہوئی دنیا۔ کراہتی سسکتی کتنی

MashalBooks.com

بیماریوں میں مبتلا افسردہ ودل گرفتہ' اپنے ہی وجود سے نالاں اپنے ہی آپ سے شرمندہ یہ عورت بیمار ہے۔ اصل میں خود اس کا سماج بری طرح بیمار ہے۔ یہ عورت صحت مند جبلتوں کے ساتھ پیدا ہوتی ہے مگر پیدا ہوتے ہی معاشرے کے ان گنت جراثیم اس پر ٹوٹ پڑتے ہیں۔ پھر یہ عورت سدا بیمار ہی رکھی جاتی ہے۔ اس کا علاج نہیں ہوتا۔ غلاموں کے لئے اس طرح کے اہتمام نہیں کئے جاتے نا۔ کسی اہتمام کی ضرورت بھی کیا۔ غلام بچے تو ہر حال میں پیدا ہوتے رہتے ہیں۔ ہر حال میں جئے جاتے ہیں۔ ڈاکٹر سعداوی خود ایک عورت ہے جس نے اپنے آپ کو جدوجہد اور بغاوت کی آگ میں جلا کر غلام ذہنیت کے مرض سے نجات حاصل کی ہے اسی لئے آج وہ ایک باشعور' ترقی پسند قلم کار ہے' جس نے دونوں طرف سے روشنی لے کر انسان اور اس کی دنیا کو دیکھا ہے۔ مارکسی علم جو دنیا کو پہنچاننے کے لئے بڑی روشنی ہے۔ سائنس کا علم جو زندگی کو سمجھنے کے لئے دوسری بڑی روشنی ہے مگر سعداوی کے پاس ایک تیسری بڑی روشنی خود اس کا عورت ہونا ہے۔ یہ عورت اپنی دنیا کو اس کے تمام تضادوں کے ساتھ دیکھ لیتی ہے۔ عورت کی ذات کو اور اس دنیا کو جس میں عورتیں بچے اور غلام رکھے گئے ہیں۔ اسی لئے ڈاکٹر سعداوی کی تحریروں میں ایک تازہ جرات' حقیقت پسندی اور گہری نظر ہے۔ یہ نگاہ اندھیرے کو چیر کر دیکھ لیتی ہے اور انسان کے جابر سماج ماحول اور دل کو بھی اس کی نگاہ ظلم کرنے والوں کے ہاتھ کو دستانوں میں بھی پہچان لیتی ہے۔ سماج کے ٹھیکے دار ایسی تحریروں سے بہت گھبراتے ہیں۔ حکمران طبقے تو ڈاکٹر سعداوی کی تحریروں پر سنسر لگانے کو بھاگ پڑتے ہیں۔ مگر کہاں تک؟ کتاب اگر مصر میں نہیں چھپ سکتی تو لبنان میں جا کر چھپ جاتی' ترجمے کے پر لگا کر ساری دنیا میں پھیل جاتی ہے۔

ڈاکٹر نوال سعداوی ایک ماہر سرجن ہے۔ نشتر ہاتھ میں لے کر انسان کے جسم میں گلے سڑے حصے چھانٹ کر انہیں تندرست بنانے کی کوشش کرتی ہے۔ یہی کام اس کا قلم بھی کرتا ہے۔ تیسری دنیا کے ایک سچے قلم کار کو نشتر زنی کا کام کرنا ہی پڑتا ہے۔ یہ ایک بیمار معاشرہ ہے نا جو انسان کے وجود پر خود ایک ناسور بن چکا ہے۔ یہاں ظلم اور مظلوم دونوں ہی بیمار ہیں۔ یہ کتاب ایک بڑی اہم کتاب ہے' سبھی حوالوں سے' مگر

آج کے دن اور بھی اہم ہے آج کے دن اس لئے کہ یہ 1990ء کا سال جواب اپنے دن گن رہا ہے گرل چائیلڈ کے حساب میں لکھا گیا ہے ۔خدا جانے کتنے سال گزر گئے ۔تیسری دنیا کی گرل چائیلڈ دنیا کی سب سے زیادہ مظلوم اور بے بس مخلوق پیدا ہوتی ہے اور غلام عورت بن کر آداب غلامی نبھاتے ہوئے غلام زادے پیدا کرتی چلی جاتی ہے۔ باقی پس ماندہ ملکوں کی طرح پاکستان میں بھی بہت کچھ رسمی اور زبانی ہوتا ہے۔مگر اس کتاب کی اشاعت کو ایک عملی قدم گنا جاسکتا ہے۔اس کتاب کی یادداشتوں میں سب سے زیادہ موثر باب وہ ہے جو ایک بچی کی بڑھتی ہوئی عمر اور جسم کے ساتھ بڑھتے ہوئے خوف اور بے انصافی کے احساس پر لکھا گیا ہے جو ہر ایک بچی اور ٹین ایج کی لڑکی کو اپنی داستان کا ٹکڑا معلوم ہوتا ہے۔

یادداشتوں کی اس بازگشت کو میں نے بھی مبہوت ہو کر پڑھا ہے۔

حوا کی بیٹی ایک بے حد حساس اور نازک وجود جسے انسانیت کی ملائم سی جڑ کہا جاسکتا ہے اور مستقبل کی گلابی کونپل مگر سماج کا وحشی اسے کچل کر رکھ دیتا ہے۔تیسری دنیا کے تاریک معاشروں میں رہنے والے جانتے تو ہیں مگر جیسے کہ ہوتا ہے غلام اپنے بچوں کو بچا نہیں سکتے ۔بلکہ الٹا انہیں آداب غلامی قبول کرنے کی تربیت دینے پر مجبور ہوتے ہیں۔اس دنیا میں تو جبلتیں بھی مسخ ہو جاتی ہیں اور جذبے بھی۔ایک بچی کے لئے تو سگی ماں کی ممتا بھی فقط جبر و تشدد میں اضافہ ہی کرسکتی ہے۔خود ترقی پسند ادب نے جو مظلوم طبقوں کا طرف دار ہوتا ہے' ایک انسان کی بچی کی دنیا کو بہت کم دیکھا ہے۔اس کے بارے میں بہت کم لکھا ہے۔

اس خلا کو سعدادی نے اس کتاب کے ساتھ پر کیا ہے۔کس قدر گہری حقیقتوں کو چھیڑتی اور چھوتی ہوئی تحریر لکھی ہے! ایک متوسط گھرانے میں پیدا ہونے والی بچی کے ابتدائی خوف سے لے کر سن بلوغت کی الجھنوں اور ایک باشعور عورت کی خود تفتیشی و وجود شناسی کے مراحل سے پہلے کی جذباتی بغاوتوں پر برجستہ تحریر اسے یادداشتیں کہہ لو یا ناول مگر یہ حقیقت کے قریب ہے۔اس سے پہلے عورت کے موضوع پر زیادہ تر یورپ میں لکھا گیا یا امریکہ میں لیکن ادھر مشرق کی عورت کے حالات و مسائل قطعی دوسرے ہیں اور ان پر لکھنا کفر سمجھا گیا۔ پھر ان مسائل کا ادراک مرد کے بس کی بات ہی

نہیں تھی۔ رہی عورت تو اسے ابھی اپنے آپ کو انسان تسلیم کرانے میں کامیابی کہاں ہوئی۔ یہ جدوجہد بھی کمزور ہے کہ عورتوں کی اکثریت تو ایسی ہے کہ جس کا شعور کچل کر رکھ دیا گیا ہے۔ وہ خود اپنے آپ کو کمتر تسلیم کرتی ہے۔ مرد کی داسی بن کر رہنے میں اپنا تحفظ دیکھتی ہے۔ مرد کی اپنی حیثیت بھی عجیب ہے۔ کہیں وہ عورت کا دیوتا ہے کہیں شیطان یعنی مرد عورت میں کسی جگہ بھی انسانی رشتہ قائم نہیں رہ سکا۔ جو کچھ ہے وہ ظالم مظلوم یا مالک ملکیت کا تعلق ہے۔ اسی وجہ سے باقی تمام رشتے بھی عدم توازن کا شکار ہیں اور فرد کے اندر کا تصادم تو کہیں تھمتا ہی نہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ عورت کی اپنی جنس اور جبلت کرپٹ ہو کر ننھی بچیوں کی زندگی میں زہر کے بیج بونے لگتی ہے۔ ماں اور نانی دادی سماج کے غیر انسانی اور انسان دشمن ضابطوں کی پابند اور وفادار ہوتی ہیں۔ یہی وفاداری وہ نوعمر بچی کو بالجبر قبول کرواتی ہیں۔ اس قدر گلے سڑے سماج سے مشرقی عورت کی وفاداریاں محض مجبوریاں اور غلامی کی زنجیریں ہی ہیں۔ ان زنجیروں میں شوہر کبھی کبھی سونے کی زنجیر بھی شامل کر دیتا ہے یعنی عورت کو اعزاز بھی ملے تو گھر کی زینت decoration Piece یا مرد کے ہیرے جواہرات دکھانے کے لئے ماڈل گرل کا کردار۔۔۔۔ عورت کا اپنا حسن جوانی، ماں کی ممتا اور مرد کی مردانگی جیسی ''اچھی چیزیں'' بھی کیسی شیطان بن کر اسی خوبصورت مخلوق کو جس کا نام لڑکی ہے خوف زدہ اور مسخ کرتی رہتی ہیں۔ تیسری دنیا کے بھولے سماجوں میں خوبصورت چیزوں کی برداشت ہی نہیں۔ یہاں بلبلیں پنجروں میں بند رکھی جاتی ہیں اور مور تک بھون کر کھا لئے جاتے ہیں۔

ڈاکٹر سعداوی کا مصر ہو یا میرا پاکستان، یہاں کے سماجوں میں عورت کی مشکل زندگی اس کے بچپن سے ہی شروع ہو جاتی ہے۔ باپ کے گھر میں اس کی پیدائش کا دن ہی سوگوار ہوتا ہے اور ممتا پیاری کی گود میں بھی ایک چبھنے والا کانٹا چھپا ہی رہتا ہے۔ ماں کی چھاتیوں میں بیٹی کے لئے دودھ بھی کم ہی اترتا ہے اور اس کے بڑھتے ہوئے جسم کے لئے پروٹین والی خوراک بھی ممنوع ہوتی ہے۔ جوانی کا آغاز ہوتے ہی نظر بد تو کس کس کی نہیں۔۔۔۔۔ ماں دادی سے لے کر باپ کے مہمان اور گلی کے چوکیدار تک کی آنکھیں پھٹ جاتی ہیں۔ بھائی اگر جوان ہے تو وہ بہن کی حفاظت کے لئے چھرا تیز

MashalBooks.com

رکھتا ہے۔ دوسرے کی بہن کو ریپ کرنے والا اپنی بہن کو قتل کرنا غیرت مندی اور اخلاقی اقدار کی حفاظت سمجھتا ہے۔ شادی کا تصور اتنا مسخ ہے کہ جوان لڑکی کو اس سے بو آتی ہے ۔۔۔۔کبھی پیاز کی بو اور کبھی قصائی کی۔ اسی لئے یہاں عورت کی دنیا ایک گہرا راز ہے جو وقت کے پرانے غاروں میں دفن ہے۔ ان غاروں کی دریافت کا کام ابھی شروع ہی ہوا ہے۔ مگر جنہوں نے یہ کام شروع کیا وہ بغیر تیشے کے فرہاد ہیں۔ پتھر کھرچتے ہوئے ان کے ناخن ٹوٹ رہے ہیں۔ بیسویں صدی کے آخری حصے میں بھی آدمی یوم جہالت منا رہا ہے۔ شاید اکیسویں صدی کے آخر تک بھی عورت کو انسان تسلیم نہ کیا جا سکے کیونکہ ایک وحشی معاشرہ اس طرح کے کام کو اپنے مفاد کے حق میں نہیں سمجھتا۔ بالکل اسی طرح جیسے مذہب بائیولوجی پر لمبی چوڑی ریسرچ کو دیوی دیوتاؤں کے مفاد میں سمجھتا ہے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ اس طرح کی دریافتوں کے بعد بہت کچھ دفن کرنا پڑے گا۔ بہت سے بت ٹوٹ جائیں گے۔ بہت کچھ علم اور فن کا حصہ بھی غلط ثابت ہو جائے گا کیونکہ یہ کام فطرت کی اصل کے مطابق مدد کی ضرورت اور خواہش کے مطابق ہوا ہے۔ کہہ سکتے ہیں کہ فلم اور کہانی میں آج تک عورت کا کردار لکھا گیا نہ ایکٹ ہوا اور کہنے کو تو یہ کہہ سکتے ہیں کہ مشرق کی عورت زندگی کے کسی سٹیج پر خود اپنا کردار ایکٹ نہیں کر سکی۔ اس لئے کہ فلم کہانی گیت شادی سب مرد کے خیال اور خواہش کی چیزیں بن گئی ہیں۔ حتیٰ کہ بہن، بیٹی، محبوبہ اور بیوی کے کردار جو اس سے کروائے گئے وہ اصلی کردار نہیں تھے۔ بلکہ سماج کے کاریگروں کے ڈیزائن اور متعین (Define) کئے ہوئے خاکے تھے۔ کسی نہ کسی دن یہ خوفناک انکشاف ہوگا ضرور کہ عورت کے نام پر جو کچھ لکھا گیا وہ جھوٹ تھا۔ ایک پتلی تماشہ ہی کہنا چاہئے۔ وہ آئیڈیل اور آدرش بھی جھوٹے اور مرد معاشرے کے بنائے ہوئے ہیں۔ عورت کی فطرت کا اس سے کوئی واسطہ تعلق نہیں سچی بات تو یہ ہے کہ اس زمین پر رہنے والے انسان نے اپنی نوع کے بارے میں بہت کم کام کیا ہے۔ فزکس کی تحقیق تو اتنا آگے بڑھ گئی کہ ذرے میں ایٹم بم کی طاقت تلاش کر لی۔ چاند کی سطح پر جا کر قدم ٹکایا۔ ستارے گرد راہ بنا لیئے۔ مگر خود اپنی کھوپڑی کے پیالے میں رکھے ہوئے گرے رنگ کے نرم مادے کے گچھے اور ان کے اندر چھپی ہوئی بے پنا قوتوں اور کائنات کنٹرول کی زبردست ٹیکنالوجی کو گرفت میں نہیں لیا۔

دو ٹانگوں والا جانور اشرف المخلوقات کے مقام تک جس طرح پہنچا' ارتقاء کے اس شاندار عمل کو ڈارون کا بندر دبوچے بیٹھا ہے۔ وہ ذہن' وہ ہاتھ جنہوں نے زمین آسمان کھوج ڈالے' سمندر' صحرا اور خلا مسخر کر لئے' خود انسان کے بارے میں کچھ بھی نہ کر سکے۔

اپنی بے بسی اور اپنے مد مقابل مرد کی طاقت دیکھ کر ایک یہی تمنا پیدا ہوسکتی ہے کہ اگلے جنم موہے بیٹا نہ کیجو۔ مگر تمناؤں سے زندگی کب بدلتی ہے۔ زندگی کو بدلنے کے لئے تو بڑی اجتماعی اور عملی جدوجہد چاہیئے۔ ہاں مگر ایک فرد بھی ڈاکٹر سعداوی کی ہیروئن کی طرح اگر ہو تو شعور کی طاقت اور اعتماد کے نشتر سے مرد کی طاقت کا جادو توڑا جا سکتا ہے۔

''میں نے بے باکی اور مستقل مزاجی کے ساتھ مرد کی لاش کا معائنہ کر دیا۔ ایک ننگے مرد سے میرا پہلی بار سامنا ہوا۔ اس دوران مرد میری نگاہوں میں اپنی تصوراتی عظمت اور طاقت کھو چکا تھا۔ مرد ایک بلند تخت سے نیچے آ گرا تھا اور ایک عورت کے سامنے چیر پھاڑ کی میز پر پڑا تھا۔ تو پھر مری ماں میرے اور میرے بھائی کے درمیان اتنی تفریق کیوں رکھتی تھی؟ اور مرد کو ایسا دیوتا بنا کر کیوں پیش کرتی تھی کہ جس کی مجھے خدمت کرنی تھی' ہر حال میں' عمر بھر باورچی خانے میں بیٹھ کر؟''

''معاشرہ مجھے ہمیشہ یہی باور کرانے کی کوشش کرتا رہا کہ مردانگی ایک اعزاز ہے اور نسوانیت کمزور اور ذلت۔ کیا میری ماں اس بات پر یقین کر سکتی ہے کہ میں نے ایک ننگے مرد کے سامنے کھڑے ہو کر اس کا معدہ اور سر چاقو سے کھول دیا؟ کیا یہ معاشرہ اس بات کو مانے گا کہ میں نے ایک مرد کے جسم کا معائنہ کیا اور بغیر اس بات کی پرواہ کئے کہ وہ ایک مرد کا جسم ہے اسے ٹکڑوں میں کاٹ دیا''

آگے چل کر ایک جگہ ڈاکٹر سعداوی سوال کرتی ہے

''آخر یہ کیا معاشرہ ہے۔ کیا ان مردہ مردوں کو بھی میرے بھائی کی طرح بچپن سے یہی سمجھایا گیا تھا کہ مرد دیوتا ہوتے ہیں اور عورتیں میری ماں کی طرح کمزور بے بضاعت۔ ایسے لوگ کس طرح یقین کریں کہ ایک عورت ایسی بھی ہو سکتی ہے جو مرد کو اعصاب' پٹھوں' آنتوں اور ہڈیوں کے ایک مجموعے سے زیادہ کچھ نہیں سمجھتی۔''

یہ سائنس کی حقیقتیں ہیں جن کا ادراک مرد عورت کے لئے یکساں ہے۔لیکن مرد بے چارہ اپنی تربیت اور معاشرے کی بخشی ہوئی مسخ ذہنیت کے باعث یہاں بھی کیا سیکھ سکا۔ وہ ایک سائنس داں عورت کو داد تو دے سکتا ہے مگر اسے انسان تسلیم کرنے کو تیار نہیں ہوتا۔۔۔۔اس کے ذہن اور احساس کا احترام کرنا نہیں چاہتا۔ وہ ایک ماہر سرجن سے مل کر بھی اس کے جسم کو تاکتا رہتا ہے۔مگر ایک عورت ڈاکٹر اپنی تحقیق کا معتبر حوالہ دیتے ہوئے تسلیم کرتی ہے کہ

''عورتیں مردوں کی طرح ہوتی ہیں اور مرد جانوروں کی طرح۔
عورت کا دل و دماغ اور اعصابی نظام من وعن مرد جیسا ہوتا ہے اور ایک جانور بھی بالکل انسان جیسا دل و دماغ اور اعصابی نظام رکھتا ہے۔ ہر عورت کے اندر ایک مرد ہوتا ہے اور ہر مرد کے وجود میں ایک عورت چھپی رہتی ہے۔ ہر ایک عورت میں کچھ مردانہ اعضاء ظاہر و پوشیدہ ہوتے ہیں اور ہر مرد کے خون میں نسوانی ہارمون موجود ہیں اور تمام انسانوں میں ایک کٹی ہوئی دم کے آثار۔ ریڑھ کی ہڈی کے چند مہرے آخر میں لٹکتے ہوئے موجود ہیں اور جانور بھی ہنستے روتے ہیں''۔

لیکن عورت کی کمزوری پر حکمرانی کرنے والے مردان حقائق کو تسلیم نہیں کرتے۔ اگر ایسا کرلیں تو وہ خود اپنے راج سنگھاسن سے نیچے اتر آتے ہیں وہ اپنے بے پناہ اختیار کو کم کیوں کریں؟ وہ تو اپنی ضرورت کی عورتیں بھی سانچے میں ڈھال لیتے ہیں، جھکی ہوئی اور شرمیلی عورتیں، خدمت گزار اور احساس کمتری کا شکار اور مرد کی ضرورت کے عین مطابق اپنی ہستی اور طاقت سے قطعی بے خبر۔ اس طرح کی عورتیں بنانا کوئی آسان کام نہیں ہوتا۔ خدا کی بنائی مخلوق کی توڑ پھوڑ بلکہ ایک گہرا اپریشن کیا جاتا ہے۔ یہ اپریشن لڑکیوں پر ان کی کم سنی کے زمانے سے کئے جاتے ہیں۔ ان کے ذہن اور احساس کو مفلوج کرنے والے عمل میں وہ کاریگر عورتیں بھی شامل ہوتی ہیں جنہیں نانیاں اور دادیاں اور مائیں کہا جاتا ہے۔ ان ماؤں دادیوں کے پاس مرد کی غلامی اور خود اپنی جنسی کمتری کے پلے پلائے احساس ہوتے ہیں اور غلامی کے ساتھ جینے کے وسیع تجربے۔ یہی نہیں ان بے اختیار عوتوں کے ہاتھ میں چھوٹی بچیوں کو دبا کر رکھنے کا وسیع اختیار بھی ہوتا ہے۔ بس اسی

MashalBooks.com

اختیار کو وہ بے دریغ استعمال کرتی ہیں ۔مگر کیا بنا لیتی ہیں وہ اس طاقت کے ساتھ؟ وہی جو بھکاری بچوں کے ہاتھ پاؤں توڑ کر بناتے ہیں۔۔۔۔۔ نئے اپاہج' نئے بھکاری۔ نوجوان لڑکی بے چاری زندگی کے سہانے تصورات کی مکروہ صورتیں دیکھنے لگتی ہے۔ یا خود بھی اس قصائی معاشرے کا آلہ کار بن جاتی ہے۔ ڈاکٹر سعداوی کے ناولوں کی لڑکی شادی اور شوہر کے نام سے ابکائیاں لیتی ہے۔ پیاز اور خاوند کی بو سے یکساں نفرت کرتی ہے۔ باورچی خانے کی ہمک اور شادی کے لفظ کی بساند اسے ایک جیسی معلوم ہوتی ہے کیونکہ ماں نے اس کی زندگی کا کل مقصد فقط شادی کرنا رکھا ہے اور شادی کا مطلب ایک توندل شوہر کے لئے دن رات باورچی خانے میں کھانا پکاتے رہنا مقرر کر دیا۔ اب سارا بچپن اس مقصد کی تیاری میں خرچ کرنا پڑا۔ کھیل کود کی جگہ شوہر کی خدمت کے ڈھنگ سکھانے کی بدصورت تربیت اور پڑھائی کے میرٹ کو سراہنے کی جگہ ابھرتے ہوئے سینے اور لمبے بالوں کی اہمیت' ایک ذہین بچی کو سارے ماحول اور نظام سے متنفر کر سکتی ہے۔

اب ایک بات ترجمے اور مترجم کے لئے ۔ترجمہ ایک فن ہے اور علم و ادب کی ترسیل کا اہم وسیلہ۔ ترجمے کے ذریعے انسان کے علم میں گراں بہا اضافہ ہوا ہے۔ اور دنیا کے ہر ایک خطے کی زبان کو فیضان حاصل ہوتا رہا۔ ترجمے کی مدد سے ہی تو دنیا بھر کے انسانوں میں کمیونیکیشن ممکن ہو سکی۔ جہاں جہاں جو کچھ لکھا گیا وہ علم اور ادب کے شاہکار ترجمے کی مدد سے دنیا کے دوراز کار حصوں میں جا متعارف ہوا اور بنی نوع انسان کا مشترکہ ورثہ بن سکا۔ ہمارے ہاں دوسرے کاموں کی طرح ترجمہ کرنے کا کام بھی کم ہوتا ہے۔

MashalBooks.com